مدینۃ المسیح

حضور نے باوجود ضعف و علالت کے ۱۸ فروری کو جمعہ مسجد اقصیٰ میں پڑھایا۔ اس روز کی باقی نمازیں بھی مسجد مبارک میں آپ ہی نے پڑھائیں جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی اس لئے آپ ۱۹ فروری سے آج تک (۲۱ فروری) باہر تشریف نہیں لاسکے۔ پھوڑے کا زخم مندمل ہو رہا ہے۔ حرارت کسی قدر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شفاء عاجلہ و صحت کاملہ عطا فرمائے۔

۲۔ اہل بیت مسیح موعودؑ بخیر و عافیت ہیں (ب) نواب صاحب قبلہ کی طبیعت بھی نسبتاً اچھی ہے۔

۳۔ دونو مدرسوں میں طلباء کا سالانہ امتحان ہو رہا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب مرحوم کی جگہ خالی ہے۔ اس وقت دو تجربہ کار کمپونڈر موجود ہیں۔ بھائی محمود اور میاں عبدالجلیل امید ہے باعانت ڈاکٹر عبداللہ صاحب اور بہ نگرانی جناب خلیفہ رشید الدین صاحب انہی سے کام لینے کی کوشش کیجائیگی۔

۵۔ صدر انجمن میں تحقیق کا سوال درپیش ہے۔ امید ہے اصحاب حل و عقد یہ سوال تمام پہلوؤں پر نظر رکھکر حل کرینگے۔

۶۔ لنگر خانہ کے انتظام میں بہت کچھ اصلاح ہو رہی ہے۔ احباب کو اس مد قرض کا خصوصیت سے خیال رکھنا چاہئے۔

۷۔ منارۃ المسیح کی برجی پر سفیدی کا کام ہو رہا ہے۔

۸۔ چوہدری ابوالہاشم صاحب ایم۔ اے۔ اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز باریسال حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری۔ برادر مولوی غیاث الدین صاحب نبیرہ میاں معراج دین صاحب لاہور اور کئی ایک مہمان تشریف لائے ہیں۔

میاں محمد امین صاحب تاجر چرم لاہور کا عطیہ

سیکرٹری انجمن احمدیہ لاہور نے اطلاع دی تھی کہ میاں شمس الدین صاحب تاجر چرم نے پانسو روپیہ عطا فرمایا ہے۔ یہ مضمون چھپ رہا تھا جب اطلاع پہنچی کہ میاں محمد امین صاحب تاجر چرم لاہور نے بھی پانسو روپیہ دیا ہے جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ میں نے چاہا کہ دونو اطلاعیں یکجا چھپ جائیں مصلح سنگ نے اپنی کم سوادی سے پتھر بنانے میں مطلب خبط کر دیا۔ ناظرین درست فرمائیں۔

درخواست دعا

محمد شفیع صاحب کشمیر سے وجہ معاش کے لئے درخواست دعا کرتے ہیں۔ نورالدین صاحب تیجہ کلاں سے لکھتے ہیں کہ آج کل بچوں کی بیماری کی خاص طور پر شکایت ہے۔ اس کے لئے دعا کی جائے۔

(باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب ... مطبع ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا)

ایک پلیڈر پر حقیقت النبوۃ کا اثر

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی تصانیف متبرکہ میں سے حقیقت النبوۃ وہ بے نظیر اور لاثانی کتاب ہے جس نے جماعت احمدیہ کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ گو اس کتاب کے لکھے جانے کی تحریک غیر مبایعین کے عقائد فاسدہ کی وجہ سے ہوئی اس لئے ان کا باحسن وجوہ قلع قمع کیا گیا۔ لیکن دراصل اس کتاب میں وہ کچھ جمع کر دیا گیا۔ کہ جس کو پڑھکر کوئی عقلمند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔ کیونکہ آپ کی اصل شان اس سے واضح ہو جاتی ہے۔ اس وقت تک غیر مبایعین کے ایک کثیر حصہ کے سوا غیر احمدی لوگوں میں سے بہت سے احباب نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یعنی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے ہیں اس کی تازہ مثال اس خط سے مل سکتی ہے۔ جو چوہدری محمد رمضان صاحب مولوی فاضل پلیڈر نے تحریر فرمایا ہے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی خدمت میں لکھتے ہیں۔ کہ

”خاکسار جناب حضرت مسیح موعود علیہ السلام مرحوم و مغفور کی ہمیشہ عزت کرتا رہا ہے۔ اور یہ خداوند کریم کا فضل ہے کہ کبھی کوئی کلمہ آپکی ذات مبارک کی نسبت بے ادبی یا گستاخی کا سرزد نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی کوئی بدخیال آپ کی نسبت میرے دل میں پیدا ہو۔ فالحمد للہ علی ذالک مگر خاکسار ابھی سلسلہ میں داخل نہیں ہوا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ نبوت کے مسئلہ کے متعلق مجھے تردد تھا۔ سو خداوند کریم کا نہایت شکر ہے کہ آپ کی کتاب حقیقت النبوۃ کو میں نے غور سے مطالعہ کیا ہے جس سے یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ کیونکہ جس نبوۃ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مصداق ہیں وہ ہرگز خاتم النبیین کے منافی نہیں ہے اور ایسی نبوت نبی کریمؐ کی شان کو زیادہ کرتی ہے نہ کہ کم۔ اور میں جناب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جناب کی اس کتاب نے مجھے ہدایت کی ہے۔ خداوند کریم حضور کے درجات کو بلند کرے اور اجر عظیم عطا فرماوے“

غیر مبایعین کو غور کرنا چاہیئے کہ جس کتاب کو دنیا کے لئے گمراہ کن قرار دے رہے ہیں وہی موجب ہدایت ہو رہی ہے اور لوگوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر کے صراط مستقیم دکھلا رہی ہے۔ کاش ضد اور تعصب ان کی آنکھیں نہ سی دیتا۔ تا محروم نہ رہتے۔

ایک برہمی کا خواب

اخویم خلیل احمد خان صاحب ضلع پیگو سے ایک برہما کے باشندے کا جس کا مذہب بدھ ہے۔ ایک خواب تحریر فرماتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کی تفصیل بھی بھیجتے ہیں۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے حضور جو سچے جوش سے طلب ہدایت کرتا ہے۔ اسے ضرور خدا تعالیٰ صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔ برادر موصوف لکھتے ہیں۔ کہ ایک برہما جس کا نام مونسنا ہمیون تھاٹن ہے۔ میرے پاس آیا۔ میں نے برمی میں اس کو تبلیغ کی۔ آخر میں یہ بات قرار پائی۔ کہ اگر مذہب اسلام سچا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب مسیح موعود اور مامور من اللہ ہیں۔ تو میں دعا کرونگا۔ خدا تعالیٰ مجھے بذریعہ خواب تسلی بخشے۔ چنانچہ بندہ نے اس کو یہ دعا سکھائی۔ کہ اے خدا اگر ماڈنیکا دمحمد صلعم کا لایا ہوا دین سچا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب مسیح موعود (امیدڑیا) ہیں۔ تو بندہ کو بذریعہ خواب اس پر تسلی بخشی جائے۔ میں اسلام قبول کر لونگا۔ اور حضرت مرزا صاحب کو مان لونگا۔ اس دعا کرنے کے ایک ہفتہ بعد اسے خواب میں یہ بشارت ملی۔ کہ وہ تھاٹن کی بڑی مسجد میں ہے اور ایک صاحب نورانی شکل فقیرانہ طرز اور سرخ پوشاک پہنے۔ اور دوسرے صاحب بطرز پنجابی عالمانہ صورت میں اس کے سامنے آئے۔ اور فرمایا کہ ”چھوکرے تجھے خوشخبری ہو۔ کہ دین اسلام ہی تمام دنیا میں سچا مذہب ہے پھر ہر دو حضرات نے اس کی پشت ٹھونکی اور کہا کہ مبارک ہو تجھکو۔ اس کے بعد کیا دیکھتا ہے۔ کہ یکایک زور و شور سے پانی دھکہ مار کر مسجد کے صحن میں بھر گیا۔ اس پر حضرات نے فرمایا۔ کہ چھوکرے پانی آگیا ہے۔ اس سے غسل کر لو۔ اس پر غسل کیا گیا۔ اور ہر دو حضرات نے اسے نماز پڑھائی۔ یہ خواب اس کو دکھائی گئی۔ اور اس کی اطلاع اس نے مجھے دی جس پر میں نے اخویم محمد اسماعیل صاحب احمدی کو تھاٹن میں لکھدیا ہے۔ کہ برہما موصوف کو نماز سکھلائیں۔ اور پڑھائیں۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی بیعت کی تحریک کریں

اس واقعہ سے ہر ایک طالب حق کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ خدا تعالیٰ کس طرح سچی تڑپ اور اخلاص رکھنے والوں کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اور اپنے دست خاص سے ہدایت کے سامان مہیا کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وہ لوگ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ان کو ہم ضرور اپنی راہ دکھا دیتے ہیں۔ کاش ہر ایک وہ انسان جو اس وقت تک اسلام سے بے بہرہ ہے۔ اس نسخہ کو آزمالے

خبریں

روسیوں نے ارض روم میں جن قلعوں پر قبضہ کیا ہے وہ بیرونی لائن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تعداد میں ۱۵ ہیں۔ وہ ایسی پہاڑیوں پر واقع ہیں۔ جو بڑے قلعے سے ۴ سے لیکر ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہیں۔ درمیانی جگہ دلدلی ہے

ارض روم کی تسخیر کا پیغام۔ لنڈن ۱۶۔ فروری۔ پیٹروگراڈ۔ گرانڈ ڈیوک نکولس نے زار کو یہ پیغام بھیجا ہے خداوند تعالیٰ نے سرزمین قفقاز میں ہماری سپاہ کے بہادر ترین کو ایسی عظیم امداد پہنچائی ہے کہ ارض روم پانچ روز کے عدیم المثال حملہ کے بعد تسخیر ہو گیا ہے میں اس فتح کی خبر یور مجسٹی کو پہنچانے میں اس قدر خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا“

مصارف جنگ کی گرانباری: مسٹر اسکوئتھ نے اخیر میں کہا جنگ کا خرچ اس وقت ۵ لاکھ پونڈ (پ ۷ کروڑ روپیہ) روزانہ ہے۔ جس میں تخفیف کی کوئی صورت نظر نہیں آتی

تلاش عزیز

محمد حسن صاحب برنالہ ریاست پٹیالہ سے لکھتے ہیں۔ کہ میرا لڑکا محمد سلیمان عمر ۱۳ سال رنگ گندمی بدن پر ایک صدری چھینٹ کی روئی دار اور ایک واسکٹ ہے۔ گھر سے چلا گیا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الفضل

قادیان دارالامان-۲۲-فروری ۱۶ء

دُنیاداروں کی دُعائیں

انسان کا جب کوئی جسمانی قولےحس وحرکت ہوجاتاہے تو اس سے کام لیتے یا اُسے کام میں لانے کا انسان کو کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ یہی حال روح کا ہے۔ جب روحانی احساسات معدوم ہوجاتے ہیں۔ تو انسان کو روح کے لئے بھی کوئی فکر اور خواہش باقی نہیں رہتی۔ دنیا پر جب کبھی ایسے لوگ ہوئے ہیں۔ جو روحانیت کی طرف سے بالکل مردہ اور بےحس ہوگئے ہیں۔ وہی زمانہ دنیا پر نہایت تاریکی اور ظلمت کا ہُوا ہے۔ اور ایسے ہی تیرہ تار زمانہ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے انبیاء کے ذریعہ نور اور روشنی نازل ہوتی رہی ہے۔ موجودہ زمانہ بھی ایسا ہی ہے۔ جبکہ اہل دنیا صرف دنیا ہی کے لئے ہو رہے تھے اور صرف جسمانی زندگی اور آرام وآسائش ان کے پیش نظر تھی۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ تاکہ آپ کے ذریعہ روحانی مردے زندگی پائیں۔ اور دین کی طرف متوجہ ہوں۔ افسوس کہ مایاتیہم من رسول الا کانوا بہ یستہزءون کوئی رسول ایسا نہ آیا۔ جس کے ساتھ لوگوں نے استہزاء نہ کیا۔ اسی طرح انھوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کیا۔ وہ جو ان کے لئے آب حیات لے کر آیا۔ اسے انھوں نے اپنا دشمن سمجھا۔ اور وہ جو ان مردوں کو ہمیشہ کی زندگی بخشنے والا تھا۔ اُسے انھوں نے اپنا قاتل سمجھا۔ جسکا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ جس مردہ حالت میں یہ مسیح موعودؑ کے آنے سے پہلے تھے۔ اسی میں رہے۔ بلکہ اس میں اور بھی ترقی کر گئے۔ اس جسم کو جو چند سالوں کے بعد گل سڑ کر معدوم ہوجاتا ہے۔ انھوں نے عزیز جانا۔ مگر اس روح کی (جو ابدالاباد تک قائم رہنے والی ہے) کوئی فکر نہ کی۔ اسی لئے اس وقت تک کسی قسم کی کامیابی بھی انہیں نصیب نہ ہوئی۔ ان کی حالت سخت افسوسناک ہے۔ یہ دنیا کے لئے ہر ایک طرح کی کوشش اور سعی کرنے کے لئے تیار رہیں۔ حتیٰ کہ دنیا کی خاطر اس خدا کی طرف بھی رخ کر بیٹھے ہیں۔ جس نے ان کو اس لئے پیدا نہیں کیا تھا۔ کہ دنیا کے ہوجائیں بلکہ اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا تھا مگر دین کے لئے کبھی بھولے سے بھی ان کی طرف سے کوئی آواز نہیں نکلتی دیکھئے کونسل کا ممبر ہونا بھی کوئی چیز ہے۔ لیکن اس کے متعلق ایک اسلامی اخبار بڑے درد اور اضطراب سے لکھتا ہے کہ:-

"اے خدا ہماری مدد کر۔ ہم کو ایسے لوگ دے۔ جو ہمارا کام کریں۔ ایسے لوگ دے۔ جو ہمارے اغراض کا خیال کریں۔ ایسے لوگ دے۔ جو ذاتی مقاصد پر قومی اغراض کو قربان نہ کریں۔ ایسے لوگ دے۔ جو حکومت کے ساتھ ملکر قومی کاموں کو انجام دیں"۔ مسلمانوں کو ہدایت دے۔ کہ وہ انتخاب کے وقت اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ ایسے لوگوں کو انتخاب کریں۔ جو قوم کا کام کرنے کے قابل ہوں۔ اور قوم کو ان پر اعتبار ہو قوم کو قعر ذلت میں نہ گرائیں" ؂

ان دعائیہ الفاظ کو پڑھ کر انجیل کی اس دعا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ" اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے۔ تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہت آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے۔ زمین پر بھی ہو۔ **ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے**"۔ اس دعا میں گو "روز کی روٹی" مانگی گئی ہے تاہم اتنا تو کیا گیا ہے۔ کہ ساتھ ہی خدا کی تقدیس بھی بیان کردی گئی ہے۔ لیکن کسقدر افسوس ہے مندرجہ بالا دعا کرنے والوں پر۔ کہ خدا جیسی قادر مطلق ہستی سے مانگتے ہیں۔ تو یہ مانگتے ہیں۔ کہ ہمیں ایسے انسان دیئے جائیں۔ جو ہمارے دنیاوی کام اچھی طرح کریں۔ کیا یہ الفاظ صاف طور پر اس بات کا اظہار نہیں کرتے ہے۔ کہ ان لوگوں کو دین کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں۔ اور دین کا ذرا بھی خیال نہیں۔ اور کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں۔ کہ ان کی روحانیت بالکل مردہ ہوگئی ہے اور صرف جسم ہی جسم رہ گیا ہے۔ ان کی زبانوں سے دنیاوی کاروبار کے اچھی طرح کرنے والے آدمیوں کے لئے فریاد نکلتی ہے۔ اور انہیں وہ خدا سے مانگتے ہیں۔ لیکن دینی حالت کی بہتری اور عمدگی کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس لئے کسی ایسے انسان کے لئے خدا تعالےٰ کے حضور عرض کرنے کی انہیں حاجت نہیں۔ جو انہیں دین سکھلائے۔ اس دنیا کی چھوٹی سی بات کے لئے ان کے منہ سے یہ آواز نکلتی ہے۔ کہ اے خدا ہماری مدد کر۔ لیکن دین میں یہ ایسے پختہ ہیں۔ کہ کسی مددگار کی انہیں ضرورت ہی نہیں۔ کاش! یہ لوگ سوچتے۔ کہ ہم صرف دنیا کے لئے نہیں بلکہ دین کے لئے بھی بنائے گئے ہیں۔ اور جب تک دین میں پکے نہ ہوں گے۔ اسوقت تک دنیا بھی حاصل نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کو ہم بتلاتے ہیں کہ ان کی اس قسم کی سب دعائیں اسوقت تک صدابصحرا ثابت ہونگی۔ جب تک کہ وہ خدا تعالےٰ کے اس نور سے روشنی نہ حاصل کریں گے۔ جو ان کی راہ نمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اور جسے انہی نشانوں کے ساتھ پہچانا جاسکتا ہے کہ جن نشانوں سے خدا کے مرسلین اب تک پہچانے جاتے رہے ؂

اے تاریکی میں ادہر ادہر ہاتھ مارنے والو! آؤ ہمارے علاقے میں آؤ۔ جہاں آفتاب صداقت طالع ہوکر نشیب وفراز عالم دکھا رہا ہے۔ اے بحر ظلمات میں ایک کشتی کے تختے یا اپنے دست و بازو کے بھروسے پر ساٰوی علی جبل کہنے والو! روشنی کا مینار اسطرف ہے۔ اور تمہارا مشفق روحانی باپ جو نوح وقت ہے۔ بار بار ارکب معنا۔ ارکب معنا پکار رہا ہے۔ پس اس طوفان سے بچنا چاہتے ہو۔ اور اس کی ہلاکت موجوں کے تھپیڑوں سے محفوظ رہنا مطلوب ہے۔ تو آؤ۔ اس کشتی پر سوار ہوجاؤ۔ جو خدا تعالیٰ کی نگرانی میں تیار ہوئی ہے۔ اور جو تمہیں منزل مقصود پر یقیناً یقیناً پہنچا دیگی۔ اور جسمیں ایسے آدمی بیٹھے گئے ہیں جو خدا کے لئے خدا میں ہوکر کام کرنیوالے ہیں۔ اور اپنی ذاتی بلکہ قومی اغراض پر بھی خدا کی غرض مقدم کرنے والے ہیں ؂

ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

تصدیق المسیح

مسئلہ نزول المسیح

سلسلہ کے لئے دیکھو الفضل نمبر ۸۹

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اچھا مان لیا۔ کہ حضرت عیسےٰ فوت ہو گئے۔ مگر احادیث میں ابن مریمؑ اور عیسیٰ کا آنا لکھا ہے۔ اور خصوصاً نزول کا لفظ جس سے کہ انکا آسمان پر سے اترنا ثابت ہوتا ہے۔ لہذا وہی ابن مریم آئیں گے۔

مردے دوبارہ دنیا میں نہیں آتے

اس کے جواب کے لئے ہم قرآن کریم کو حکم بناتے ہیں۔ کہ آیا اس کے رو سے جو شخص مرجائے۔ دوبارہ وہ واپس دنیا میں زندہ آسکتا ہے یا نہیں۔ تو پارہ اٹھاراں رکوع اول میں خدا تعالےٰ انسانی پیدائش کا ذکر کرکے فرماتا ہے۔ ثم انکم بعد ذالک لمیتون ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون کہ پیدا ہونے کے بعد تم مروگے۔ پھر قیامت کو دوبارہ اٹھائے جاؤگے۔ پس قیامت کے پہلے پہلے کسی فوت شدہ کا دوبارہ زندہ ہونا اس آیت سے ممتنع ہے۔ پھر اسی سورۃ کے آخری رکوع میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون۔ کہ جو لوگ مرچکے ہیں دوبارہ دنیا میں آنے کی درخواست کرتے ہیں۔ رب ارجعون۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی آرزو ہوگی۔ مگر ان کے اور دنیا کے درمیان ایک روک ہے۔ قیامت تک (۳) پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ۱۷ پارہ سورہ انبیاء کا آخری رکوع۔ انهم لا یرجعون۔ کہ جو لوگ مرچکے ہیں۔ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتے (۴) حضرت جابرؓ کے والد جنگ میں شہید ہو گئے۔ ان کو سخت صدمہ ہوا۔ اور بہت پریشانی ہوئی۔ کیونکہ تمام عیالداری کا بوجھ ان کے سر پر پڑ گیا۔ نو تو صرف چھوٹی چھوٹی بہنیں تھیں۔ حضرت نبی کریمؐ نے جابرؓ سے کہا کہ تمکو معلوم ہے۔ کہ تمہارے والد سے خدا نے کیا معاملہ کیا۔ خدا تعالےٰ اسپر ایسا خوش ہوا۔ کہ اسکو کہا۔ کہ جو تو مجھ سے مانگے۔ میں تجھ کو دوں گا۔ آخر اس نے کہا الٰہی مجھے تو دوبارہ دنیا میں بھیج۔ تا پھر میں تیری راہ میں مارا جاؤں۔ خدا تعالےٰ نے جواب دیا۔ سبق القول منی انهم لا یرجعون (مسلم) کہ یہ تو ہم اپنی کلام میں کہہ چکے ہیں۔ کہ جو مرجائیگے۔ وہ واپس دنیا میں نہیں لوٹایا جائیگا۔

اب آپ غور فرمادیں۔ کہ باوجودیکہ خدا تعالےٰ نے جابر کے والد سے وعدہ بھی کرلیا۔ کہ جو تو مانگے۔ میں تجھے دونگا۔ دوبارہ دنیا میں اسکو نہ بھیجا۔ اس لئے کہ ہمارا یہ قانون مقرر ہوچکا ہے۔ پس خدا تعالےٰ کے اس قانون کے ماتحت حضرت عیسےٰ بھی زندہ نہیں ہوسکتے" ۔

عقلی دلیل مردوں کے دوبارہ دنیا میں نہ آنے پر

پھر عقلاً بھی آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طرح مردے زندہ ہونے لگ جائیں تو ایمان بالغیب تو بالکل دنیا سے اٹھ جائے۔ حالانکہ سب جزا و سزا کا دارومدار ایمان بالغیب پر ہے۔

حدیث سے دلیل

پھر اگر مردے زندہ ہو سکتے تو جبوقت صحابہ رضؓ نے حضرت نبی کریمؐ کی خدمت میں درخواست کی۔ ادعو اللّٰہ لیحییہ لنا فقال استغفروا لصاحبکم (مسلم صفحہ ۲۷۵) کہ یا رسول اللّٰہؐ آپ دعا فرماویں۔ کہ اللّٰہ اس صحابی کو زندہ کردے۔ یعنے آپؐ باذن اللّٰہ اسکو زندہ کریں۔ تو آپ نے زندہ نہ کیا۔ بلکہ کہا۔ کہ اس کے لئے دعا کرو۔ اگر مردے زندہ ہوسکتے تھے۔ تو نبی کریمؐ ساری عمر میں یہی ایک مردہ ہی زندہ کرکے صحابہ کو خوش کرتے۔

خدا کے قادر ہونے سے کیا مراد ہے

باقی رہا یہ سوال کہ کیا خدا قادر نہیں ہے کہ مسیحؑ کو پھر دوبارہ زندہ کردے۔ تو ہم کہتے ہیں کیا خدا اس بات پر قادر نہیں کہ ایک نیا مسیحؑ پہلے مسیحؑ سے بھی بڑھ کر پیدا کردے۔ پھر میں کہتا ہوں۔ قادر کا یہ مطلب نہیں جو آپ لیتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ان اللّٰہ علی کل شیئ قدیر۔ شیئ مصدر ہے۔ جس کے معنے چاہنے کے ہیں یعنے اللّٰہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر قادر ہے۔ پس خدا تعالےٰ وہ کام نہیں کرتا۔ جو اس کی شان کے خلاف ہو۔ یا اس کے صفات کے خلاف ہو۔ یا اس کے وعدوں کے خلاف ہو۔ مثلاً خدا قادر ہے۔ کہ ایک اور خدا بنا دے۔ مگر چونکہ یہ اسکی ذات اور شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ پھر تعدد الٰہہ لازم آئیگا۔ اس لئے وہ یہ کام نہیں کرتا۔ اسی طرح مردوں کے دنیا میں زندہ کرنیکی وہ قدرت رکھتا ہے مگر چونکہ اس کے وعدہ انهم لا یرجعون وغیرہ کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔

آنیوالا عیسےٰ اور ہے

پس جبکہ یہ ثابت ہوگیا۔ کہ حضرت عیسےٰ فوت ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی کہ جو مر جاتا ہے۔ دوبارہ دنیا میں نہیں آتا۔ تو بہرحال ماننا پڑیگا۔ کہ آنے والا مسیح اور ابن مریمؑ کوئی اور ہے۔

کیا علم میں استعارہ نہیں ہوتا؟

باقی رہا یہ سوال کہ چونکہ عیسےٰ اور ابن مریم عَلَم ہیں۔ اور علم میں استعارہ جائز نہیں لہذا کسی دوسرے کو استعارہ کے طور پر عیسےٰ اور ابن مریم ہم نہیں کہہ سکتے۔

تو میں کہتا ہوں۔ یہ غلط ہے کہ عَلَم میں استعارہ نہیں ہوتا۔ دیکھو کتاب التوضیح صفحہ ۸۳ مطبوعہ آستانہ یستعار لعالم فقیہ لفظ ابی حنیفۃ کہ استعارہ کے طور پر فقیہ عالم کو ابی حنیفہ (جو امام اعظم کی کنیت ہے) کہہ سکتے ہیں۔

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیحؑ کے

جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا۔

تو پھر کس منہ سے یہ مولوی لوگ کہتے ہیں۔ کہ عَلَم میں استعارہ نہیں ہوسکتا ہے۔

آنیوالے مسیحؑ کا نام ابن مریم کیوں ہے

یہ سوال کہ خدا نے کیوں آنیوالے کا نام عیسےٰ اور ابن مریم

رکھا۔ میں کہتا ہوں۔ تم عالم الغیب نہیں ہو۔ اس آرزو پر کہ بزرگوں کے صفات تمہارے بچوں میں خدا پیدا کرے۔

احمد اور محمد نام اپنے بچوں کے رکھتے ہو۔ تو خدا تعالیٰ اس بات کو جانتے ہوئے کہ فلاں شخص فلاں کی خو بو رہے اور اس کے صفات اپنے اندر رکھتا ہے کسی کا نام مسیح یا عیسےٰ یا ابن مریم رکھدے۔ تو کونسا غضب آجاتا ہے۔ کسی لڑکے میں بُرے صفات تم دیکھتے ہو۔ تو اسکو شیطان ابلیس کہہ دیتے ہو۔ کسی کو سخی پاتے ہو۔ تو اسکو حاتم طائی کہتے ہو۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کسی کا نام عیسےٰ نہ رکھے۔

سورۂ تحریم میں غور کرو

پھر آپ سورہ تحریم پر غور فرماویں۔ وہاں خدا تعالےٰ نے مثال دی ہے۔ کہ مومنوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو فرعون کی بیوی کی طرح ہے۔ کہ خود بیچاری نیک تھی۔ لیکن ایک شیطان فرعون کا ہاتھ بھی اسیر تھا۔ اور دوسرے مومنوں کی مثال مریم کی مثال ہے۔ کہ وہ صدیقہ تھی۔ صدیق کا درجہ نبوۃ کے درجہ سے نیچے ہے۔ یعنے صدیق کے لئے ایک ہی مرحلہ طے کرنا باقی رہ جاتا ہے تو حضرت مریم نے جب اس پر بھی ترقی کی۔ تو چونکہ خدا تعالیٰ نے الرجال قوامون میں مردوں کو مصلح قرار دیا ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ کے نفخ روح سے وہ خود تو نبی نہیں ہوئیں۔ خدا نے ان کو بیٹا نبی بخشدیا۔ جو ابن مریم کہلایا۔ اور اسی بیٹے کو خصوصیت سے والدہ کی خدمت کی تاکید کردی۔ لیکن جو مرد مریم صفت ہو جائے۔ یعنی صدیق ہو کر اس پر بھی ترقی کرے۔ تو وہ نفخ روح سے چونکہ مرد ہے۔ مصلح بن سکتا ہے۔ اس لئے وہ خود نبی ہو جاتا ہے۔ یعنے ابن مریم کے قائمقام ہو جاتا ہے۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے یہاں پر فنفخنا فیہ کر کے فرمایا ہے۔ اگر کسی مومن مرد یعنے مثیل مریم کا ذکر نہ ہوتا۔ بلکہ حضرت مریم کا ہی ہوتا۔ تو فنفخنا فیہا کر کے آتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ میں مریم کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ فنفخنا فیہا من روحنا وجعلنٰہا وابنہا اٰیۃ للعٰلمین۔ ۱۷ پارہ اس سے ایک اور بھی حکمۃ معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ مریم کے ساتھ تو الذین اٰمنوا یعنے بہت سارے آدمیوں کی مثال دی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مریم صفت تو بہت لوگ پیدا ہوں گے۔ لیکن اس سے ترقی کر کے نفخ کے وقت فنفخنا فیہ کہدیا۔ فنفخنا فیہم نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا۔ کہ ابن مریم کے نام سے صرف ایک ہی شخص اس امت میں مخصوص کیا گیا ہے۔ اور اس ابن مریم کی پیشگوئی حدیثوں میں بھی کی گئی ہے۔ پس خدا تعالےٰ نے خود فرما دیا۔ کہ ابن مریم دوسرا ہو سکتا ہے۔

مسیح ابن مریم اور مسیح موعودؑ کے حلیوں میں اختلاف

پھر آپ صحیح مسلم شریف باب الاسری صفحہ ۹۴ دیکھیں۔ کہ نبی کریمؐ نے مسیح ناصری کا حلیہ اور فرمایا ہے۔ اور مسیح محمدی کا حلیہ یعنے آنیوالے مسیحؑ کا حلیہ اور بتایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مسیح الگ الگ ہیں۔ اور آنے والا پرانا مسیحؑ نہیں۔ بلکہ خدا نے اپنی قدرت سے نیا مسیحؑ پیدا کرنا ہے۔ قادر وہ نہیں ہوتا۔ جو دوسرے وقت کے لئے باسی کھانا رکھ چھوڑے بلکہ قادر وہ ہوتا ہے۔ کہ جب ضرورت پڑے۔ تازہ کھانا تیار کرے۔

حدیث میں آنیوالے عیسیٰؑ کیلئے نزول کا لفظ کیوں آیا ہے

یہ سوال کہ حدیثوں میں نزول کا لفظ آتا ہے۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے

ہم کہتے ہیں۔ نزول سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر گئے ہوں۔ اور پھر دوبارہ زندہ اتریں گے۔ کیونکہ قرآن کریم میں نبی کریمؐ کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ آنحضرتؐ آسمان سے نہیں اترے۔ بلکہ دنیا میں پیدا ہو کر مبعوث ہوئے۔ قال انزل اللّٰہ الیکم ذکراً رسولاً۔

دوسرے نزول کا لفظ مسیحؑ کے متعلق اس لئے آیا ہے۔ تا معلوم ہو۔ کہ وہ آسمانی آدمی ہے۔ خدا سے اسکا تعلق ہے۔ اسی لئے اس کے مقابلہ میں دجال کے لئے خروج کا لفظ آیا ہے۔ تا معلوم ہو۔ کہ وہ زمینی آدمی ہے۔ اور دنیا کا کیڑا ہے۔

سوم اس لئے بھی نزول کا لفظ فرمایا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام اپنی بعثت سے پہلے خلوۃ اور گوشہ نشینی اختیار کر کے دنیا سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ اور ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ جس کے بعد خدا تعالےٰ ان کو نبوۃ کا عہدہ دے کر خلوۃ سے نکالتا ہے۔ اور دنیا کی طرف بھیجتا ہے۔ تا دوسروں کو بھی خدا کی طرف لے جائیں۔

حضرت فضل عمرؓ پر ایک بہتان کی تردید

پیغام مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۲۶ء میں یہ لکھا ہے کہ حضرت خلیفہ ثانی نے فتوےٰ الفضل میں شائع کرایا ہے۔ کہ **میت کو صدقات وغیرہ کا کوئی ثواب نہیں پہنچتا۔**

یہ بالکل کذب محض ہے۔ پیغام اگر سچا ہے۔ تو حوالہ دے کس الفضل میں یہ لکھا ہے۔ حضرت خلیفہ ثانی میت کے لئے صدقات کو باذن اللّٰہ نافع سمجھتے ہیں۔ بلکہ آپ نے ثواب پہنچنے کی فلاسفی بھی بیان فرمائی کہ جس مسکین کو صدقہ دیا جاتا ہے وہ دل سے دعا کرتا ہے۔ اور یہ دعا اس کے لئے جس کے واسطے وہ صدقہ دیا گیا ہے بہت نافع ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور فرمایا ہے۔ کہ قرآن شریف پڑھ کر مردوں کو بخشنے کا طریق رسول کریمؐ یا صحابہؓ سے ثابت نہیں۔ حضرت خلیفہ ثانی کا یہ فتوےٰ کوئی اپنی ذاتی رائے سے نہیں۔ بلکہ یہ فتوےٰ مسیح موعودؑ کا اعادہ ہے۔ وھو ھذا

میت کے لئے صدقہ دینا اور قرآن شریف پڑھنا

سوال: میت کو صدقہ خیرات اور قرآن شریف کا پڑھنا پہنچ سکتا ہے؟

جواب مسیح موعود علیہ السلام: "میت کو صدقہ خیرات جو اسکی خاطر دیا جائے۔ پہنچ جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کا پڑھکر پہنچانا حضرت رسول کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللّٰہ علیہم سے **ثابت نہیں ہے اسکی بجائے دعا کیجائے جو میت کے حق میں کرنی چاہیئے۔** میت کے حق میں صدقہ خیرات اور دعا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سنت [illegible]

احمدیانِ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

"باجازت حضرت خلیفہ وقت"

مکرم برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میرا مدت سے ارادہ تھا۔ کہ میں آپ حضرات کی خدمت میں کچھ عرض کروں مگر توفیق الٰہی نہ ہو سکنے کے باعث اس طرف توجہ نہ ہوئی اب آج اخبار الفضل قادیان میں مولانا مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے کا نوٹس اس مضمون کا کہ ممالک متوسط و برما کے لئے دو احمدی واعظین کی ضرورت ہے پڑھکر اس طرف خدا نے توجہ دلائی ہے۔ کہ اپنی پرانی خواہش پوری کروں۔ اور جو کچھ عرض کرنا ہے عرض کروں ہندوستان میں پنجاب توبوجہ نزول مسیح ہونے کے ضرور اس بات کا مستحق تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تبلیغ اس صوبہ میں بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہو اور وہیں یہ پیام صادق سب سے پہلے سنایا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب تک اس فیض سے صوبہ پنجاب ہی زیادہ فیضیاب ہوا ہے۔ مگر پنجاب کے بعد دکن بنگال وغیرہ میں بھی حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی منادی اچھے پیمانہ پر ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اور انشاء اللہ ہوگی۔ مگر بدقسمتی سے اگر محروم ہے تو صرف آپ کا ہی صوبہ۔ جہاں کے آپ اور ہم سب باشندہ ہیں۔ اور جہاں سے ہم نے جسمانی فائدہ زیادہ اٹھایا ہے۔ اور اٹھا رہے ہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا آپکے صوبہ کا آپ پر کوئی حق ہے یا نہیں۔ اگر ہے۔ اور ضرور ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہم سب خاموش بیٹھے رہیں۔ اور جس نعمت سے تیرہ۱۳ سو سال کے بعد ہم مالا مال ہوئے ہیں اس کو اپنے اہل صوبہ کی خدمت میں پیش نہ کریں تبلیغی کام ہو یا کوئی قومی کام اس کے لئے یہ خیال کرنا کہ صدر سے تحریک ہو اور وہاں سے مدد ملے اور تمام بار مرکز پر ڈالا جائے اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ زیادہ مناسب نہیں ہے بلکہ اس وقت ضرورت ہے کہ جس سے ہو سکے وہ کرے۔ اگر ہم نے اس زمانہ فاروقی میں بھی کچھ نہ کیا۔ تو پھر نہ معلوم کب کام کرنے کا وقت آئیگا۔ اس لئے میں آپ کل حضرات خصوصاً اخویم مکرم مولوی سید [illegible] احمد صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ شاہجہانپور منشی حامد حسین صاحب میرٹھ۔ مکرمی سید صادق حسین صاحب صادق اٹاوہ۔ مکرم معظم خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب جج کانپور۔ مکرم شیخ معراج الدین صاحب چیف سینیٹری انسپکٹر کانپور اور مولوی خیر الدین احمد صاحب لکھنؤ کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ وہ اس ناچیز تحریر پر خصوصیت توجہ فرماویں اور ممالک متحدہ آگرہ اودھ میں تبلیغ کے لئے خاص طور پر انتظام فرمادیں۔ اور اس کے لئے تدابیر اختیار کریں۔ میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ سب بھائی ملکر کسی تعطیل کے موقعہ پر کسی جگہ جمع ہو کر تبادلہ خیالات کریں اور پھر بعد حصول اجازت حضرت امام ہمام اولو العزم وہم سیرت پیغمبر آخر الزمانؐ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنائیں حضرات! میں نے اپنی ناچیز رائے نہایت ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پیش کر دی ہے۔ اب آگے آپکا کام ہے کہ ان پر توجہ فرمائیں یا بے توجہی اختیار کریں۔ مگر میں کسی احمدی کے لئے یہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کسی دینی کام میں کچھ بھی غفلت سے کام لے بلکہ میری رائے ہے کہ کل برادران دینی کا یہ ضرور خیال ہوگا کہ ہم نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسیح اور مہدی مانا ہے اور یہ نعمت پائی ہے۔ تو اس کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم اس کو اپنے برادران صوبہ کی خدمت میں بھی پیش کریں اور انہیں سے سعید روحیں تلاش کریں۔ وما علینا الا البلاغ

فقط آپ سب کا خادم محمد عثمان احمدی لکھنوی

احمد رسول

یہ وہ رسالہ جس میں آیت ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق حضرت مسیح موعودؑ کو ثابت کیا گیا ہے۔ اور آیات قرآنی سے احادیث صحیحہ سے پھر غیر مبائعین کے لئے کتب مسیح موعود و اقوال خلیفہ اول سے یہ دکھایا گیا ہے کہ اس پیشگوئی کا مصداق آپ اپنے آپ کو سمجھتے تھے یہ سلسلہ احمدیہ کے رسالجات سے اخذ اقتباس و مرتب کر کے چوہدری مولا بخش صاحب بھٹی احمدی سیالکوٹی نے شائع کیا ہے۔ ا/ قیمت پر مولف مذکور سے ملیگا۔

دعوت الی الخیر

پورٹ بلیئر (کالا پانی) سے خط

ناظرین کرام کو غالباً یاد ہوگا کہ ماسٹر عبد الرحمن صاحب نو مسلم بی۔ اے باجازت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ جزیرہ پورٹ بلیئر میں ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری کے لئے گئے ہیں اصل میں انکے وہاں بھیجنے کی اغراض و غایات تبلیغ احمدیت ہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس فرض کو سر انجام دینا شروع کر دیا ہے۔ وہ اپنے تازہ خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں کسی قسم کا تہوار یا میلہ نہیں ہوتا۔ ہاں سکول کے تقسیم انعامات کے موقعہ پر آزاد شدہ مجرم دیہات سے آکر میلا کر لیتے ہیں۔ جو دسمبر کے بعد ہوتا ہے۔ اس دفعہ جناب مسٹر ڈگلس صاحب بہادر بالقابہ بذات خود سکول میں رونق افروز ہوئے۔ احمدی پبلک جناب صاحب موصوف کے نام نامی اور اسم گرامی سے بہت عرصہ سے واقف ہے۔ کیونکہ یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا جو ایک عیسائی مارٹن کلارک کی طرف سے نہایت سنگین دائر ہوا تھا۔ ماسٹر عبد الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ عالیجناب کپتان ڈگلس صاحب جو اب پورٹ بلیئر میں چیف کمشنر ہیں مجھے ملے۔ اور اس بات کو معلوم کر کے کہ میں قادیان سے آیا ہوں۔ فرمانے لگے کہ ہم نے تمہارا ایک مقدمہ کیا تھا۔ ماسٹر صاحب نے جواب میں عرض کیا۔ کہ ہاں حضور مجھے یاد ہے۔ اس وقت میں وہیں تھا۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ کہ اس مقدمہ کی جوں جوں تحقیقات کرائی جاتی تھی۔ مرزا صاحب کے خلاف واقعات معلوم ہوتے جاتے تھے۔ تاہم میرا دل اس بات کے ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ کہ مرزا صاحب ایسے جرم کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ نیز ان کا چہرہ دیکھکر مجھے اور بھی پختہ خیال ہوتا تھا۔ کہ یہ اس کے ارتکاب کرنے والے نہیں ہیں۔ ماسٹر صاحب نے عرض کی۔ کہ حضور مقدمہ واقعی پیچیدہ اور سنگین تھا۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ آپنے اپنی خداداد قابلیت اور اعلیٰ فراست سے وہ کام کیا جس کی وجہ سے آپ ایک

تابعی انسان بن گئے ہیں۔ اور آپ نے عدل و انصاف کے کے باب میں وہ امتیاز حاصل کیا ہے۔ کہ آئندہ نسلیں آپ کا نام نہایت عزت سے لینگی۔ ماسٹر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ میں جوں جوں اس مقدمہ کا ذکر کرتا آپ کا چہرہ نہایت خوش ہوتا جاتا تھا۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے۔

ماسٹر صاحب نے چار انگریز صاحبان کو بھی تبلیغ کی جس کا ان پر اچھا ہوا۔ یہ چاروں انگریز صاحبان ملک کی خاطر اپنی لائف وقف کرکے اور والنٹیر ہو کر آئے ہیں۔ ان سے اثناء گفتگو میں یہ سوال کیا گیا۔ کہ یسوع مسیح خدا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے ماسٹر صاحب نے ایک مفصل تقریر کے ذریعہ انہیں سمجھایا۔ کہ اگر مسیح خدا کا بیٹا تھا۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ جس طرح دنیا میں ہر ایک شخص کے اختیار میں جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کی تربیت اور قابلیت کے لئے صرف کر دیتا ہے۔ اسی طرح خدا جو ہر ایک قسم کی مقدرت رکھتا ہے۔ یسوع مسیح میں کچھ طاقتیں رکھدیتا۔ جن کی وجہ سے دیگر انسانوں اور ان میں بین فرق ہو جاتا۔ لیکن یسوع مسیح کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی دوسرے انسانوں ایسے ہی قوا رکھتے تھے اس پر ایک صاحب بولے۔ کہ یسوع مسیح ہمارے شفیع ہیں اور خدا کے پاس ہیں۔ اور ہم ایمان اور محض ایمان کی وجہ سے انہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ گو ہماری عقل کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔ اس کے متعلق انہیں بتایا گیا کیوں ایمان تو بہت سے لوگ اور انسانوں کے خدا ہونے پر بھی رکھتے ہیں حتی کہ ایسے بھی لوگ ہیں۔ جو بیجان چیزوں مثلاً پتھروں کو خدا قرار دیتے ہیں۔ لیکن کیا ان کا ایمان آپکے اور ہمارے نزدیک کسی کام کا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ایمان کے لئے دلائل اور عقلی ثبوت کی بھی ضرورت ہے۔ نہ کہ صرف سنی سنائی بات پر ایمان رکھنے سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد انہیں حضرت مسیح کی کشمیر میں قبر کے متعلق بتایا گیا۔ اور انجیل کی رو سے ان کا صلیب پر نہ مرنا ثابت کیا گیا جسے سنکر دو انگریز صاحبان بولے۔ کہ اصل بات یہ ہے۔ ہم نے مذہبی تعلیم باقاعدہ نہیں پائی۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ کہ آپ لوگوں نے بائبل کا حصہ عہد جدید سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔ اس کے سوا آپ اور کیا تعلیم پانا چاہتے ہیں

اس کے بعد ماسٹر صاحب نے خدا تعالیٰ کے حی و قیوم اور زندہ خدا ہونے کے ثبوت میں ایک تقریر کی۔ اور بتایا۔ کہ دوائی وہی اچھی اور عمدہ ہوتی ہے۔ جو انسان کے جسم اور روح کو مفید ہو۔ اور جو تجربہ سے ایسی ثابت ہو چکے۔ اسی طرح سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے۔ جو انسان کو خدا تعالیٰ تک پہنچا کر اس سے ہمکلام کرا دے۔ نہ کہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ کرے۔ اس پر ایک انگریز صاحب بولے۔ کہ کیا تم سمجھتے خدا بول سکتا ہے۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ ہاں کیوں نہیں بول سکتا کیا اس زمانہ میں نسل انسانی آج سے ۱۹ سو سال پہلے کی نسل سے کم مہذب اور کم شائستہ ہے۔ اس نے پوچھا خدا آپ سے کس طرح بولتا ہے۔ اس کے متعلق ماسٹر صاحب نے اپنے چند ایسے واقعات سنائے۔ جو انہیں بذریعہ رویا قبل از وقت بتائے گئے تھے مثلاً بی اے کے امتحان کی تیاری کے وقت جو حساب کے پرچہ کا پہلا سوال بتایا گیا تھا اور وہی امتحان کے پرچہ میں پہلا نکلا۔ وہ سنایا۔ یہ سنکر وہ حیران سا ہو گیا۔ اور سب آئندہ پھر ملنے کا وعدہ کرکے چلے گئے ؀

خطبہ جمعہ

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ

فرمودہ ۱۸ فروری سنہ ۱۹۱۶ء

الٓمّٓ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ۔ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ؀

میری حالت

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ اس نے پھر مجھے آپ لوگوں کے سامنے بولنے کی توفیق دی مجھے اس وقت بھی تپ ہے۔ اور راستہ میں چکر بھی آ گیا تھا پہلے تو میرا ارادہ کچھ بولنے کا نہ تھا۔ کل میں نے ڈاکٹر صاحب سے اتنی اجازت لی تھی کہ جمعہ کی نماز میں شامل ہو جاؤں۔ لیکن جب چلنے لگا۔ تو خدا تعالیٰ نے اتنی ہمت دیدی۔ کہ خطبہ بھی میں ہی پڑھا دوں ؀

انسان اور حیوان کا فرق

انسان اور حیوان میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور وہ بڑا فرق دنیاوی لحاظ سے تمدن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور دینی لحاظ سے اس فرق کو مذہب کہتے ہیں۔ تو دو طرح کا فرق ہے۔ دنیاوی لحاظ سے تو یہ ہے۔ کہ انسان میں تمدن ہے۔ اور حیوان میں نہیں ہے۔ اور دینی لحاظ سے یہ کہ انسان کے ساتھ ایک دین لگا ہوا ہے۔ اور حیوان کے ساتھ نہیں ہے۔ گو حیوان کے ساتھ بھی ایک طرح کی اطاعت اور فرمانبرداری تو ہے۔ اور ایک رنگ میں وہ عبادت بھی کرتا ہے لیکن اس کے افعال میں قدرت نہیں اسے بھلائی برائی کے انتخاب کا اختیار نہیں دیا بلکہ جس طریق پر اسے چلا دیا گیا ہے۔ اسی پر وہ چلتا رہیگا۔ لیکن انسان کے کاموں میں قدرت اور اندازہ کا دخل ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے بُرا اور بھلا دونوں رستے کھلے ہوتے ہیں۔ تاکہ ان میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔ اور یہ بات انسان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ کیونکہ بھلے اور برے راستے کا اختیار کرنا اس کے انتخاب پر چھوڑا جاتا ہے۔ اور قبل از وقت اسے بتا دیا جاتا ہے۔ کہ بھلا راستہ کون ہے۔ اور برا کون سا۔

کس میں ہے۔ اور دکھ کس میں آرام کس میں ہے۔ اور تکلیف کس میں۔ فائدہ کس میں ہے۔ اور نقصان کس میں۔ تو انسان اور حیوان میں دو فرق ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے جو فرق ہے۔ اسے تمدن کہا جاتا ہے۔ یعنی انسان اپنی نسل اور قوم کے فوائد کے لئے دوسرے انسانوں سے ملکر کام کرتا ہے۔ چونکہ ایک انسان کے کام سے دوسرے کو نفع پہنچتا ہے۔ اس لئے تمام انسان ملکر یا انسانوں کا ایک بہت بڑا حصہ ملکر ایک دوسرے کے فائدہ اور نفع کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن حیوانوں میں یہ بات نہیں ہے۔ یہ صرف انسانوں میں ہی ہے۔ دوسرے انسان کو اچھے اور برے نیک اور بد نفع اور نقصان میں تمیز کرنے اور اپنے اختیار سے ان دونوں راہوں میں سے ایک پر چلنے والا بنایا گیا ہے۔ لیکن یہ بات حیوانوں میں نہیں ہے۔ پس جو انسان انسان ہو کر ان دونوں قسم کے فرقوں کو نہیں جانتا۔ وہ جانور سے ممتاز نہیں ہو سکتا ہے۔ اور وہ انسان ہی نہیں ہے۔ بلحاظ جسمانی تعلقات کے اگر انسان میں تمدن نہیں ہے۔ اور بلحاظ روحانی تعلقات کے اگر انسان مذہب اور دین کا پابند نہیں ہے۔ تو اس میں اور سوئر۔ بندر۔ ریچھ وغیرہ جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تمدن کے متعلق اس وقت ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے۔ جو دنیا کے علوم اور فوائد میں منہمک ہیں۔ ہمیں سوائے اس کے کہ اس وقت جبکہ تمدن مذہب اور دین میں داخل ہو جائے۔ اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس وقت مذہب کے متعلق ہی کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں ۔

انسان اور حیوان میں روحانی لحاظ سے فرق

روحانی لحاظ سے انسان اور حیوانوں میں مذہب کا فرق ہے۔ انسان کسی نہ کسی مذہب کا قائل ہوتا ہے۔ اور حیوان نہیں ہوتے ان کے لئے کوئی تازہ شریعت نہیں آتی۔ بلکہ ان کی فطرت میں ہی ابتداء سے جو کچھ ودیعت کر دیا گیا ہے۔ وہی ہے مگر انسان کو وحی اور الہام کے ذریعہ سے شریعت سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور حیوانوں میں سے ہر ایک کو ایسی وحی کی جاتی ہے۔ جو اس کی فطرت کے متعلق ہوتی ہے۔

انسان۔ انسان میں بھی فرق ہے

مگر انسانوں میں سے ایک حصہ کو وحی سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ یوں تو ظاہراً ہر ایک انسان کو بھی وحی کی جاتی ہے۔ مگر وہ وحی جو مذہب کے متعلق ہوتی ہے۔ وہ ہر ایک کو نہیں ہوتی۔ بلکہ انہی انسانوں کو ہوتی ہے۔ جو حقیقت میں عابد اور عبد بنتے ہیں اور پھر جو اس وحی پر عمل کرتے اور جو مدعا اس میں بتایا جاتا ہے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ دوسرے انسانوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اور ان میں سے ممتاز کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کا نام بندہ اور انسان رکھا ہے ۔

حقیقت میں انسان کون ہے

درحقیقت وہی انسان ہوتا ہے۔ جو اپنے اندر دو انس رکھے۔ ایک خدا سے اور ایک اس کے بندوں سے اور وہی عبد ہے۔ جو عبودیت میں اپنے جسم اور روح کو لگا دیتا ہے۔

انسان کو حیوان سے کیا امتیاز ہے

کہنے کو تو جانور بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ میں انسان ہوں۔ لوگ طوطے کو سکھاتے ہیں۔ کہ کہو "میاں مٹھو" لیکن اگر کوئی اسے یہ سکھا دے۔ کہ "میں انسان ہوں" تو وہ یہی کہنے لگ جائے۔ لیکن اس کے کہنے سے وہ انسان نہیں بن جائیگا۔ کیونکہ انسان کے اندر جو خواص اور باتیں ہونی چاہئیں۔ وہ اس کے اندر نہیں ہیں۔ کیا یہ طوطے کی شکل وصورت کا قصور ہے کہ وہ باوجود اس کے کہ کہتا ہو کہ میں انسان ہوں۔ انسان نہیں ہو سکتا۔ اور کیا اگر موجودہ انسان طوطے کی شکل کے ہوتے۔ تو انسان نہ ہوتے۔ پھر کیا اگر حیوان انسان کی شکل کا ہو۔ تو وہ انسان ہو سکتا ہے۔ مثلاً بہت سے بندر اور مچھلیاں ایسی ہیں۔ کہ انسان کی شکل سے بہت بڑی مشابہت رکھتی ہیں۔ مگر انسان نہیں ہیں۔ ان کا منہ سر۔ کان۔ انگلیاں وغیرہ انسانوں کی طرح کی ہوتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ انکو انسان نہیں کہا جاتا۔ اور مچھلیوں اور آدم کی اولاد میں وہ کیا فرق ہے۔ جو ان کو علیحدہ رکھتا ہے۔ یہی کہ وہ مذہب کی اس رنگ میں پابند نہیں ہیں جس رنگ میں انسان پابند ہیں۔ انکو وہ سمجھ اور عقل نہیں ہے۔ جو انسانوں کو متمدن اور عقلمند بناتا ہے۔ پس اگر انسانی شکل کسی حیوان کی ہو جائے۔ تو وہ انسان نہیں ہو سکتا اور اگر انسان کی موجودہ شکل بدل کر کسی اور طرح کی بنا دی جائے تو وہ حیوان نہیں ہو جاتا۔ کئی آدمی ایسے ہوتے ہیں۔ جو بہت بدشکل ہوتے ہیں۔ اور بندر کی طرح ان کی صورت ہوتی ہے مگر وہ بندر نہیں ہوتے۔

مابہ الامتیاز قائم نہ رکھنے کی صورت میں انسان حیوان سے بھی بدتر ہے

پس وہ چیز جو انسانوں اور حیوانوں میں مابہ الامتیاز ہے۔ اگر اسی کے حاصل کرنے یا حاصل کردہ کے قائم رکھنے میں انسان کوشاں نہ ہو۔ تو کیا وہ انسان ہو سکتا ہے۔ ایسا انسان صرف لفظی انسان ہے حقیقی نہیں۔ اور حیوانوں سے بدتر ہے۔ کیونکہ حیوان جس قانون کے ماتحت رکھے ہوتے ہیں وہ اس میں نافرمانی نہ کر سکتے ہیں۔ اور نہ کرتے ہیں۔ مگر انسان کو جس قانون کا پابند قرار دیا جاتا ہے۔ وہ اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور مخالفت کرتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ انسانیت سے بالکل دور جا پڑتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ جب کوئی انسان انسانیت کو چھوڑتا ہے۔ تو ایسی حالت میں ہوتا ہے۔ کہ حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ ایک کتے اور ایک چڑیا کی خدا تعالیٰ کے حضور قدر ہوتی ہے۔ مگر اس کی نہیں ہوتی ۔

قانون شکنی کی صورت میں حیوان کو انسان پر ترجیح دیجاتی ہے

ایک کتے کی خدا تعالیٰ کے نزدیک قدر ہوتی ہے مگر انسان کی نہیں ہوتی۔ ایسے موقع پر خدا تعالیٰ کے سامنے انسان ایک بدترین مخلوق ہوتا ہے مجھے خوب یاد ہے۔ حضرت مسیح موعود کہانی کے رنگ میں سنایا کرتے تھے۔ اور اس قسم کی باتیں لکھنے والوں نے لکھی ہیں۔ معلوم نہیں سچی ہیں یا جھوٹی بعض باتیں نصیحت کے طور پر لکھی جاتی ہیں۔ اور بعض کی کچھ اصلیت بھی ہوتی ہے اور بعض کی نہیں۔ اسی طرح کسی نے لکھا ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت جو طوفان آیا۔ تو ایک ساچڑیا کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر پیاسا تھا۔ ماں باپ اس سے جدا ہو چکے تھے۔ اور وہ بہت سخت پیاسا ہو رہا تھا طوفان جو بڑھتا گیا۔ تو آخر اس پہاڑ کی چوٹی تک بھی پہنچا

اس وقت اس چڑیا کے بچے نے پانی پی لیا۔ یہ واقعہ سچا ہے یا جھوٹا۔ اس سے ہمیں بحث نہیں۔ لیکن اس میں جو حکمت ہے وہ بہت سچی ہے۔ اور وہ یہی ہے۔ کہ جب انسان خدا کے مقرر کردہ قوانین کو توڑ کر اس کے مقابلے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کے نزدیک حیوانوں کی قدر ہوتی ہے۔ مگر اس کی نہیں ہوتی۔ کیوں اس لئے کہ حیوان خدا تعالیٰ کے نافرمان نہیں ہوتے۔ اور یہ ہوتا ہے کہ پھر حیوانوں کی خاطر خدا تعالیٰ انسانوں کے تباہ کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اور انہیں ہلاک کر دیتا ہے اس وقت انسان کی جان بے قیمت اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

فرمانبردار انسان فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے

غرض انسان اسی وقت تک انسان ہے جب تک کہ اس میں انسانیت قائم ہے۔ اور روحانی لحاظ سے انسانیت یہی ہے جیسے اس میں اور حیوانوں میں فرق ہے۔ کہ اس کی روح ترقی کر کے اسے خدا تعالیٰ کا مقرب بنائے۔ اگر کوئی انسان اس قرب کو حاصل نہ کرے۔ یا اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اور اس راہ میں صبر اور استقلال کو کام میں نہ لائے۔ تو وہ انسان نہیں ہے۔ انسان کو حیوان سے جو امتیاز حاصل ہے۔ تو یہ اس پر ایک ایسا انعام ہے۔ جو اس دنیا کی کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ بلکہ جب کوئی انسان اس انعام کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے قرب میں پوری پوری ترقی کرنی شروع کر دیتا ہے۔ تو اس کے لئے ایسے درجے کھل جاتے ہیں۔ جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے وہاں جبرائیل نہیں جا سکے۔ جبرائیل ہرکارہ تھے۔ اور بھیجنے والا خدا اور جس کو خط بھیجا گیا تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ گو جبرائیل کا درجہ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں کتنا ہی بڑا ہو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ہرکارہ کی حیثیت تھی۔ کیونکہ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا کرتا تھا۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی عزت تھی۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک ایک وحی کے ساتھ ہزاروں فرشتے اترا کرتے تھے یہ اسی لئے کہ خدا تعالیٰ اتنے فرشتوں کو ایک کلام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیج کر بتاتا تھا۔ کہ یہ ہمارا ایسا پیارا ہے۔ کہ اس کے مقابلہ میں ہمارے جو بڑے پیارے ہیں۔ وہ بھی ادنیٰ ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جس شان کا کلام ہوتا۔ اسی قدر زیادہ فرشتے ساتھ آتے۔ ورنہ فرشتے اس لئے نہیں آتے تھے۔ کہ کلام کے پہنچانے میں کوئی ڈر تھا۔ اس لئے حفاظت کے لئے ساتھ فرشتے بھیجے جاتے تھے۔ کلام تو یوں بھی محفوظ ہی تھا۔ اور کسی کی کیا طاقت تھی۔ کہ اس میں کچھ دخل دیتا۔ تو انسان بہت قرب اور مدارج حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس قدر حاصل کر سکتا ہے۔ کہ ملائک کے لئے بھی وہ مدارج نہیں ہیں۔

بڑے انعام کیلئے آزمائش بھی بڑی ہوتی ہے

پس جب انسان کیلئے اتنے مدارج ہیں تو ضرور ہے۔ کہ اس کے لئے خطرات بھی اتنے ہی بڑے ہوں۔ کیونکہ بڑے انعام کے ساتھ بڑے ہی خطرات ہوتے ہیں۔ یہ آیات جو میں نے پڑھی ہیں ان میں اسی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے احسب الناس ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون فرمایا خدا کے لئے مومن ہونا اور اس کی فوج میں داخل ہونا اور اس کا مقرب اور پیارا ہونا کوئی ایسی چھوٹی سی چیز نہیں ہے۔ کہ منہ سے کہا۔ اور ہو گیا۔ صرف امنا کے کہنے سے کوئی مومن نہیں ہو جاتا دیکھو۔ دنیاوی گورنمنٹ جب سپاہیوں کو بھرتی کرتی ہیں۔ تو ان کے ہر ایک عضو کا معائنہ کراتی ہیں۔ آنکھ۔ کان۔ ناک ہاتھ۔ پاؤں قد چال چلن وغیرہ تاڑ لیتی ہیں۔ اور بڑی شرائط کے بعد فوج میں داخل کرتی ہیں۔

صرف زبانی آمنا کہنے سے کچھ نہیں بنے گا

تو کیا خدا تعالیٰ کی فوج میں داخل ہونے کے لئے کسی امتحان کی ضرورت نہیں اور کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے۔ کہ صرف آمنا کہہ دینے سے کوئی مومن ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ ہر ایک بات کو جاننے والا ہے۔ اور اس کے قرب کے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ حتیٰ کہ ختم ہی نہیں ہوتے اسی طرح اس کا امتحان بھی بہت بڑا ہے۔ اس لئے جو انسان اس بات کے لئے کھڑا ہو۔ کہ میں خدا کا قرب حاصل کروں۔ اور صحیح معنوں میں انسان بنوں۔ وہ یہ مت سمجھے۔ کہ صرف منہ سے آمنا کہنے سے وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکیگا۔ بلکہ اس کے لئے بڑی آزمائش میں سے گذرنا ہوگا۔ اور جب وہ اس میں پکا ثابت ہوگا۔ تو اس قابل سمجھا جائیگا۔ کہ خدا کا قرب حاصل کرے ورنہ اس کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں ہوگا۔

الم کیوں فرمایا

ان آیتوں کے پہلے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے الم۔ یہ فرما کر خدا تعالیٰ نے انسان کو ڈانٹا ہے۔ کہ دیکھو دھوکہ انسان کو دیا جا سکتا ہے اور انسان بسا اوقات دھوکہ کھا بھی جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک چیز کے متعلق علم نہیں رکھتا۔ لیکن خدا چونکہ ہر ایک چیز کا علم رکھتا ہے۔ اس لئے وہ کسی دھوکہ دینے والے کا دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اس کے سامنے کسی کے دھوکہ سے یہ کہہ دینے سے کہ میں ایمان لے آیا وہ مومن نہیں ہو سکتا کیونکہ الم یعنی انا اللہ اعلم اللہ بہت بڑا جاننے والا ہے

امتحان سے ایمان و اخلاص کی حقیقت معلوم ہوتی ہے

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو کسی سے محبت جتلاتے ہیں۔ دوستی ظاہر کرتے ہیں۔ اور ذرا ذرا سی بات پر کہہ دیتے ہیں۔ کہ میں آپ کے قربان جاؤں۔ اور سننے والا بھی سمجھتا ہے۔ کہ واقعہ میں اسکو مجھ سے بڑا پیار اور محبت ہے۔ اور یہ میرے لئے جان قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن جب کوئی موقعہ پیش آتا ہے تو محبت پیار اور دوستی کی ساری حقیقت کھل جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ جو دلوں کا واقف ہے۔ اور انسان کی ہر ایک پوشیدہ سے پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ وہ کہاں فریب کھا سکتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے۔ اور اپنے جاننے کا ثبوت اسطرح دیتا ہے۔ کہ انسان کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔ بہت انسان ایسے ہوتے ہیں۔ جو خود بھی نہیں جان سکتے۔ کہ ہماری محبت خدا تعالیٰ سے جھوٹی ہے۔ یا سچی۔ ان پر بھی خدا تعالیٰ فتنہ میں ڈالکر کھول دیتا ہے۔ کہ تم اپنے نفس کے متعلق یہ سمجھتے تھے۔ مگر ہم خوب جانتے تھے۔ اور اب تم کو بھی معلوم کرا دیا ہے۔

نفس کا دھوکہ

کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے نفس کے دھوکہ میں آکر اپنے آپکو بہادر سمجھتا ہے۔ مگر تھوڑے سے خطرہ اور ڈر سے اسے اپنی بزدلی کا علم ہو جاتا ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان سمجھتا ہے کہ فلاں سے مجھے بڑی محبت ہے۔ مگر ذراسی بات سے اس سے ایسا دور ہو جاتا ہے۔ کہ گویا کبھی تعلق ہی نہ تھا اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتا ہے۔ مگر ذراسی بات پر اس کے علم کی قلعی کھل جاتی ہے تو انسان اپنے نفس کو غلط سمجھتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اور اس کے انا الله علیم ہونے کا ثبوت یہ ہے۔ کہ وہ انسان کے نفس کو فتنہ میں ڈال کر بتا دیتا ہے۔ کہ میں زیادہ جاننے والا ہوں ؛

مومن کیلئے آزمائش ضروری ہے

ولقد فتنا الذین من قبلھم فرمایا۔ کہ ہم نے پہلے لوگوں کو بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈالا تھا۔ اور ان کی بڑی بڑی آزمائشیں کی تھیں۔ پس ضرور ہے۔ ان سے پچھلوں کی بھی اسی طرح آزمائشیں کی جائیں فلیعلمن الله الذین صدقوا ولیعلمن الکٰذبین۔ پس ضرور ہے کہ الله تعالےٰ مومنوں کو فتنہ میں ڈالکر سچے اور جھوٹے صادق اور کاذب کو الگ الگ کردے ؛

غرض انسان کے لئے جس طرح خدا تعالیٰ کے قرب کے دروازے کھلے ہیں۔ اور اس کے لئے انسانیت کے قائم رکھنے کے لئے ذرائع موجود ہیں۔ اور اس پر یہ احسان کیا ہے۔ کہ اسے انسان بناکر باقی تمام مخلوق پر فضیلت بخشی ہے اسی طرح اس کے لئے قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششوں کی بھی ضرورت ہے۔ اور بڑے بڑے کٹھن امتحانوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ تب جاکر اسے حقیقی انسانیت کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ شکل تو انسان کی ہوتی ہے۔ مگر درحقیقت وہ حیوان ہوتا ہے ؛

تمدن کے قائم رکھنے کی کوشش

اس زمانہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمدن کو قائم رکھنے کیلئے کس قدر جد وجہد اور کوشش کی جارہی ہے۔ اور کیسی کیسی قربانیاں کی جاتی ہیں۔ اور وہ لوگ جو دنیاوی رنگ میں انسانیت کے فرق کو نمایاں کررہے ہیں۔ کس قدر اس میں کوشاں ہیں۔ آج ہی مجھے اخبار میں ایک خبر پڑھکر سخت حیرت ہوئی ہے۔ کہ یورپ کی عورتوں کا اتنا حوصلہ ہے۔ کہ ہمارے مردوں کا بھی اتنا نہیں ہے۔ ابھی انگلستان میں بھرتی ہورہی ہے۔ اس کے متعلق واقعہ ہے۔ کہ ایک بڑھیا کے پاس بھرتی کرنے والا گیا اور اسے کہا۔ کہ تمہارا کوئی لڑکا بھرتی ہوا ہے۔ یا نہیں۔ اس نے کہا۔ میرے نو لڑکے ہیں۔ جن میں سے اس وقت تک آٹھ بھرتی ہو چکے ہیں۔ ان میں سے چار لڑائی میں مارے گئے ہیں۔ دو زخمی پڑے ہیں۔ اور دو لڑائی پر ہیں۔ اب ایک باقی ہے۔ اگر اس کی بھی بادشاہ کو ضرورت ہے۔ تو حاضر ہے۔ بھرتی کرلو۔ میری طرف سے کوئی عذر نہیں ہے دیکھو کیا ہمت اور کیا حوصلہ ہے۔ تو یہ قومیں تمدن قائم رکھنے کے لئے نسل۔ مال۔ دوست احباب سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ اس مقابلہ کا حال ہے۔ جو انسانوں کا حیوانوں کے مقابلہ میں جسمانی طور پر کہلاتا ہے ؛

مذہب کے مقابلہ میں تمدن کیا حیثیت رکھتا ہے

لیکن بتلاؤ کہ حیوانوں کے مقابلہ میں جو روحانی فرق ہے۔ اس کو قائم رکھنے کے لئے کس قدر کوشش اور محنت کی ضرورت ہے۔ روحانی مقابلہ یعنی مذہب کے سامنے اس جسمانی مقابلہ یعنی تمدن کی حیثیت ہی کیا ہے اور یہ چیز ہی کیا ہے۔ اس کا اثر تو زیادہ سے زیادہ انسان کی بڑی سے بڑی سو سوا سو سال تک کی زندگی سے ہے مگر مذہب کا اثر نہ صرف اس زندگی کے ساتھ ہے۔ بلکہ اس زندگی کے ساتھ بھی ہے۔ جو ابدالآباد تک کی ہے پھر تمدن کے لئے جو کوشاں ہے۔ وہ اگر اس جد وجہد میں مرجائے۔ تو اس کے لئے کوئی انعام اور فائدہ نہیں۔ مگر جو خدا تعالیٰ کے قرب کے حاصل کرنے اور صداقت اور راستی کے پھیلانے کے لئے اپنی جان قربان کردے۔ اس کا انعام کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ملک اور قوم کی حفاظت کرتے ہوئے جو مارا جاتا ہے۔ اس کی ذات خاص کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اگر اس کا تمام ملک تباہ ہوجائے۔ تو اسے کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر بچ جائے تو اسے کوئی نفع نہیں۔ مگر مذہب کے لئے جو کوئی اپنی جان اور مال قربان کرتا ہے۔ اگر وہ مرجاتا ہے۔ یا مارا جاتا ہے۔ تو اس کا انعام بجائے تباہ اور ضائع ہونے کے اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ تمدن کے لئے جانیں قربان کرنیوالوں کو انعام دینے والے انسان ہیں۔ جن کی طاقت اور قدرت موت سے ورے ورے انعام دے سکتی ہے۔ مگر وہ جو مذہب کے لئے قربان ہوتے ہیں۔ ان کا انعام دینے والا خدا ہے جس کا دست تصرف اس دنیا میں بھی ہے۔ اور موت کے بعد آگے بھی۔ اس لئے وہ موت کے بعد بھی انعام واکرام دیتا ہے

جماعت احمدیہ سے خطاب

ہماری جماعت کے لئے اس زمانہ میں وہ مشکلات نہیں ہیں۔ جو پہلے زمانہ میں اور قوموں کے لئے تھیں۔ گو میں سمجھتا ہوں۔ کہ مشکلات کسی نہ کسی رنگ میں ہیں لیکن پہلے جیسی مشکلات ابھی نہیں ہیں۔ لیکن تعجب نہیں۔ کہ وہی مشکلات ہماری قوم کو بھی آجائیں۔ جو پہلی قوموں کو پیش آتی رہی ہیں۔ کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی۔ جب تک کہ اسے اتنی ہی قربانیاں نہ کرنی پڑیں۔ جتنی پہلی قوموں کو کرنی پڑی تھیں پس ہماری ترقی کے لئے ضروری ہے۔ کہ ابتلا آئیں۔ اور ایسے ایسے ابتلا آئیں جن میں جان۔ مال۔ اولاد۔ وطن وغیرہ چھوڑنے پڑیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ہمارے لئے خدا کے فضل سے بڑی آسانیاں ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ایک ایسی گورنمنٹ قائم ہے۔ جس کی وجہ سے ہر طرح کا امن وامان ہے۔ مگر مسیح موعود صرف ہندوستان کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ تمام دنیا کے لئے آئے تھے۔ اور ہماری جماعت صرف ہندوستان میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ افغانستان اور دیگر ممالک میں بھی ہے۔ افغانستان میں ہماری جماعت کے لئے وہ آسانیاں نہیں ہیں۔ جو ہمیں یہاں میسر ہیں۔ بلکہ ان کے لئے بہت مشکلات ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہاں ہمارے دو آدمی شہید ہوگئے ہیں۔ مگر تم کوئی قوم ایسی نہ دیکھو گے۔ کہ وہ ایک غالب قوم بنی ہو۔ اور اس کے صرف دو ہی آدمی شہید ہوئے ہوں۔

قوم کس طرح بنتی ہے

قوم اس طرح بنا کرتی ہے

کہ ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا تیسرے کے بعد چوتھا۔ اور اسی طرح سینکڑوں اور ہزاروں قربان ہوتے ہیں اور جب ایک حصہ قوم پر مشکل اور مصیبت آتی ہے۔ تو دوسرا حصہ اس کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ ایک حصہ اپنی جانیں قربان کرتا ہے۔ تو دوسرا حصہ مال قربان کرتا ہے۔ صحابہ کرام کو دیکھو۔ مہاجرین نے اپنے ملک چھوڑے۔ جائدادیں چھوڑیں۔ وطن سے بے وطن ہوئے۔ تو انصار نے اپنی جائدادیں اور مال انہیں بانٹ دیئے۔ غرض اگر قوم کے ایک حصہ کو ایک رنگ میں قربانی کرنی پڑتی ہے۔ تو دوسرے کو دوسرے رنگ میں۔ اور ایک حصہ پر ایک رنگ میں ابتلا آتا ہے۔ تو دوسرے حصہ پر دوسرے رنگ میں۔

ہر وقت تیار رہو

میرا منشا یہ ہے۔ کہ ہماری جماعت کو ہر وقت ہر ایک قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت پر کسی اور رنگ میں ابتلاء آئے۔ یا اپنے فضل سے ایسے ابتلا لائے جو سخت نہ ہوں۔ مگر انسان کا کام یہی ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کے لئے تیار رہے۔ کہ اگر مجھے کسی وقت وطن۔ مال۔ اولاد اور جان قربان کرنا پڑے۔ تو کر دونگا۔ دیکھو جو سپاہی جنگ میں جاتے ہیں۔ وہ سارے کے سارے مارے نہیں جاتے۔ مگر پھر بھی کوئی سپاہی ایسا نہیں ہوتا۔ جو یہ نہ سمجھے۔ کہ جنگ پر میرے لئے موت ضروری ہے۔ اور میں مرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ نہ کہ زندہ واپس آنے کے لئے۔ اور جب تک ہر ایک سپاہی کو یہ خیال نہ ہو۔ اس وقت تک وہ کوئی عزت کوئی انعام اور کوئی رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ لڑائی پر وہی لوگ جاتے ہیں۔ جو موت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ ہم سر پر کفن باندھکر جا رہے ہیں پھر بہت سے ایسے ہوتے ہیں۔ جو لڑائی پہ جاتے ہیں مگر زندہ واپس آجاتے ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ خالد بن ولید جب فوت ہونے لگے۔ تو آپکے ایک دوست آپکو دیکھنے آئے۔ اس نے دیکھا۔ کہ آپ رو رہے ہیں پوچھا کیوں روتے ہیں۔ کہا مجھے شہادت کی بڑی خواہش تھی۔ لیکن افسوس کہ حاصل نہ ہوئی۔ اور بہت سے لوگوں میں کوئی ایک لڑائی میں شریک ہوا۔ تو شہید ہو گیا کوئی دوسری میں شریک ہوا۔ تو شہید ہو گیا۔ اور کوئی تیسری میں شہید ہو گیا۔ مگر میں اس قدر لڑائیوں میں شریک ہوا۔ کہ میرے سر سے لیکر پاؤں تک زخم لگے۔ مگر آج میں بستر پر پڑا جان دے رہا ہوں۔ مجھے میدان جنگ میں موت نصیب نہ ہوئی۔ یہ ان کا اخلاص تھا۔ کہ اس طرح کی موت کو وہ پسند کرتے تھے۔ ورنہ میرے نزدیک وہ کئی شہادتیں پا چکے تھے۔ تو لڑائی پر جانے والا ابھی زندہ واپس آسکتا ہے۔ مگر جانثار ہو خالد۔ خالد کیوں بنا۔ اس کی شہادت ان کی وفات کے وقت کی گفتگو دے رہی ہے۔ کہ وہ ہر جنگ میں اس نیت اور اس ارادہ سے شامل ہوئے کہ مرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ نہ کہ زندہ واپس آنے کے لئے۔ ان کی عزت۔ رتبہ۔ درجہ۔ اور قبولیت اسی واسطے تھی۔ کہ ہر ایک لڑائی کے وقت انہوں نے یہی سمجھا۔ کہ میری جان دراصل میری نہیں ہے اور میں جان دینے چلا ہوں۔ نہ کہ اسے واپس لانے اور یہ میرے پاس بطور امانت تھی۔ جسے سپرد کرنے جا رہا ہوں۔ یہ بات اور تھی۔ کہ انہوں نے خدا کو اپنی جان ہر بار ہی دی۔ اور خدا نے انہیں واپس دیدی لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ کہ انہوں نے اپنی طرف سے جان دینے میں کوئی کمی نہ کی۔ اور ہر بار ہی ہتھیلی پر رکھکر دینے کے لئے نکلے :

خوب یاد رکھو

تم لوگ یہ بات خوب یاد رکھو کہ بڑے انعاموں کے لئے قربانیاں بھی بڑی ہی کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ قربانیاں صرف مال سے ہی نہیں ہوتیں۔ بلکہ اور بھی بہت طرح سے ہوتی ہیں۔ اب تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ جو شخص چندہ دیتا ہے وہ یہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ میں نے اپنی طرف سے کافی قربانی کر دی ہے۔ لیکن بڑے بڑے انعام اس طرح نہیں ملا کرتے۔ وہ قومیں جنہوں نے بڑے انعامات حاصل کئے ہیں۔ انہوں نے اپنا سب کچھ کیا مال کیا جان کیا اولاد کیا وطن کیا جائدادیں قربان کیا ہے۔ اس وقت اگر ایسی ضرورت نہیں۔ کہ اس طرح کی قربانیاں کی جائیں۔ تو ہر ایک یہ نیت تو کرلے۔ کہ اگر کبھی ضرورت پڑی۔ تو میری عزت میرا وطن میرا مال۔ میری اولاد میرا علم اور میری جان غرضیکہ کسی چیز کو خدا کے راہ میں قربان کرنے سے میں دریغ نہ کرونگا۔ اور جو کچھ بھی ہوگا سب کچھ خدا کے لئے قربان کرنا پڑیگا۔ تو کر دونگا۔ اور جب مومن ایسی نیت کرلے۔ تو خدا تعالیٰ اس کو توفیق بھی دیگا۔ اس وقت ہم میں سے بعض ایسے ہیں۔ کہ جنکو کوئی چھوٹا سا ابتلا آتا ہے۔ تو گھبرا جاتے ہیں۔ بعض لکھتے ہیں۔ کہ میری تجارت بند ہوگئی۔ اس سے سخت ابتلا ہے۔ بعض لکھتے ہیں کہ احمدی ہونے کی وجہ سے لڑکی نہیں ملتی جس سے بہت بڑا ابتلا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں کہتا ہوں۔ بھلا یہ باتیں چیز ہی کیا ہیں۔ ان کے مقابلہ میں جو پہلوں کو پیش آئیں : اور ان کے مقابلہ میں یہ حیثیت ہی کیا رکھتی ہیں :

آنیوالے ابتلا

پس تم یہ مت سمجھو۔ کہ تمہارے لئے یہ اسی قسم کے ابتلا ہیں۔ بلکہ میں تو دیکھتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے۔ کہ ابتلا پر ابتلا آئینگے۔ بہت ہیں جو مرتد ہو جائینگے۔ اور بہت ہیں جو مرتد ہونے کے قریب ہو جائینگے۔ آپکے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارے لئے ابتلاؤں کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا۔ بلکہ اور بڑے ابتلا ہیں۔ جن میں جماعت کو ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑینگی :

(بقیہ دیکھو صفحہ ۱۲ پر)

پھر جاکر انعام حاصل ہونگے۔ لیکن موجودہ صورت میں تم ادہر اس عورت کے حوصلہ پر غور کرو۔ جسکا پہلے مینے ذکر کیا۔ اور ادہر اپنی طرف دیکھو۔ کہ اگر کسی کو تبلیغ کے لئے باہر بھیجنے کا منشا ہو۔ تو اس کی ماں۔ بیوی اور رشتہ دار شور مچا دیتے ہیں۔ کہ اتنی دور نہ بھیجا جائے۔ ہمارے لئے یہ مشکل ہے یہ تکلیف ہے چنانچہ ایک شخص کو ہم نے کہیں بھیجنے کا ارادہ کیا۔ تو اس کے رشتہ داروں نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ اسے باہر نہ بھیجو اس کے علاوہ جو آپکی مرضی ہے کرو۔ دیکھو ادہر تو ایک عورت اپنے ملک کیلئے آٹھ بیٹے دے چکی ہے۔ اور نویں کے لئے کہتی ہے کہ اسکو بھی لے لو۔ لیکن ادہر دین کے لئے اتنی کمزوری دکھائی جاتی ہے۔ یاد رکھو اور اس بات کو خوب یاد رکھو۔ کہ بڑی کامیابیوں اور بڑی فتوحات کے لئے بڑی ہی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہمارے تو اتنے دشمن ہیں۔ کہ ان کے مقابلہ میں ہم ایک قطرہ بھی نہیں ہیں۔ پھر بتاؤ۔ کہ ہمیں کتنی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے اور ہمیں کتنی ہمت اور کیسی کوشش سے کام لینا چاہیئے ؁

کامیابی کب ہوگی

نہیں جب تک ہر ایک احمدی یہ نہ سمجھ لے۔ کہ میرے ہی ذمہ سب کام ہیں۔ اسوقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہماری جماعت کو بہت بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے جماعت کو تیار رہنا چاہیئے۔ اب وہ زمانہ آ گیا ہے۔ جبکہ ہمارے تعلقات دور دراز ملکوں کے لوگوں سے بڑھنے شروع ہو گئے ہیں۔ ہم تو خدا کے فضل سے ہر طرح کے امن میں ہیں۔ مگر ممکن ہے کہ ہمارے اور ملکوں کے بھائی امن میں نہ رہیں۔ اور ممکن ہے کہ ان کے ابتلا میں ہمیں بھی حصہ لینا پڑے۔ (مثلاً وہ وہاں سے ہجرت کر کے یہاں آئیں۔ تو ہم ان کو اپنے اموال میں شریک کریں یا وہاں ان کی آزادی مذہب کے لئے بذریعہ اپنی محسن گورنمنٹ کے چارہ جوئی کریں۔ ایڈیٹر) اس کے لئے جماعت کو تیار رہنا چاہیئے۔ اور ہر ایک کو اپنے دل میں یہ نیت کر لینی چاہیئے۔ کہ خدا کے حضور میری جو قربانی بھی مقدر ہے۔ اس کے لئے میں تیار ہوں۔ پھر ساتھ ہی ایسے ابتلاؤں میں ثابت قدم رہنے کے لئے خدا تعالےٰ سے دعا بھی مانگنی چاہیئے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ انسان پر بعض ابتلا ایسے رنگ میں آتے ہیں۔ کہ اگر انسان ان کیلئے یہ دعا کرے۔ کہ یہ مجھ سے ٹل جائیں۔ تو خدا تعالےٰ ایسے انسان کو اپنے سے بہت دور پھینک دیتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ تم اس سے گھبراتے ہو۔ اور ثابت قدم نہیں رہ کر دکھاتے۔ اس لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔ تو یاد رکھو۔ کہ ایسے ابتلاؤں کے لئے یہ دعا نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ ہم سے ٹل جائیں۔ بلکہ مومن کو چاہیئے۔ کہ ایسی دعاؤں میں لگا رہے۔ کہ اے خدا اگر کوئی ایسے ابتلا مجھ پر آنیوالے ہوں۔ جو میری طاقت اور ہمت سے بڑھ کر ہوں۔ تو مجھے توفیق دیجئے۔ کہ میں ان میں ثابت قدم رہوں۔ اور ان میں پورا اتروں۔ جب تک کسی انسان میں ایسا ایمان نہیں ہوتا۔ اس وقت تک وہ انسان ہی نہیں ہے۔ اور بندر، سور اور کتے سے بھی بدتر ہے ؁

ایک خوشخبری

یہ تو ایک بات تھی۔ جو میں نے بیان کر دی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ قاضی عبد اللہ صاحب کا ولایت سے خط آیا ہے کہ میرا پہلا لکچر ہوا۔ جو بہت مقبول ہوا ہے۔ مجھے تو اس بات پر تعجب ہی تھا۔ کہ قاضی صاحب ولایت جاکر کریں گے کیا۔ کیونکہ انھوں نے یہاں کبھی کوئی لکچر نہ دیا تھا۔ اور نہ کبھی کسی مضمون پر بولے تھے۔ انہیں بہت حجاب تھا۔ چوہدری فتح محمدؐ صاحب کی امداد کے لئے پہلے تو اور کئی تجویزیں دل میں آئیں۔ مگر پھر یکلخت میرے دل میں یہ پڑا۔ کہ قاضی صاحب کو بھیجدوں۔ میرے ان کو بھیجنے کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ انھوں نے یہاں تعلیم پائی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت میں رہے تھے۔ میں نے خیال کیا۔ کہ خدا تعالےٰ ایسے انسان میں خود برکت ڈالدیگا۔ چنانچہ آج ہی ان کا خط آیا ہے۔ کہ **ایک کامیاب لکچر ہوا ہے۔** اور لکچر کے بعد ایک گھنٹہ تک سوال وجواب ہوتے رہے ہیں جن کا بہت عمدہ اثر ہوا۔ اور لکچر بہت پسند کیا گیا۔ چوہدری فتح محمدؐ صاحب وہاں سے چل پڑے ہیں۔ آپ لوگ ان کے لئے دعا کریں۔ کہ خدا تعالیٰ انہیں بخیریت یہاں پہنچائے۔ آج ولایت سے دو اور آدمیوں نے بیعت کے فارم پر کر کے بھیجے ہیں۔ **اور اب وہاں بارہ احمدی ہو گئے ہیں** غیر احمدی اس بات سے چڑا کرتے ہیں۔ کہ تم لوگ مرزا صاحب کو حضرت مسیحؑ سے افضل کیوں کہتے ہو۔ لیکن ہم کہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیحؑ نے تین سال کے عرصہ میں صرف تیرہ حواری تیار کئے تھے۔ جن میں سے ایک مرتد ہو گیا تھا۔ مگر اب دیکھو۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک شاگرد نے اس سے نصف عرصہ میں یعنی ڈیڑھ سال میں بارہ احمدی بنالئے ہیں۔ کیا اب بھی کسی کو مسیح موعودؑ کا مسیحؑ سے افضل ہونا معلوم نہیں ہوتا؟

پہلی بات کا اعادہ

اخیر میں میں پھر اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ گو ہم نے تبلیغ کے لئے باہر مبلغ بھیجے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ انتظام ایک بہت چھوٹے پیمانہ پر ہے۔ اصل تبلیغ وہی ہے۔ جو ہر ایک احمدی کرتا ہے۔ اور جو سمندر کی لہروں کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ پس ہر ایک شخص خواہ باتوں سے خواہ کتابوں اور اشتہاروں سے جس طرح بھی ہو سکے۔ تبلیغ کرے۔ اور جب قوم کا ہر ایک فرد مبلغ ہو۔ اس وقت کامیابیاں ہوتی ہیں۔ اس لئے اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ کہ ہر ایک شخص سمجھے۔ کہ تبلیغ کا سارا بوجھ اسی کے سر پر ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے جس نے یہ کام کرنا ہے۔ پھر وہ ہر ایک قربانی کے لئے تیار رہے۔ جب قوم کی ایسی حالت ہو جائے گی۔ تو خدا تعالےٰ اسے انعام پر انعام ملنے شروع ہو جائیں گے۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ملنے والے انعام بہت عجیب چیز ہوتے ہیں۔ ان کے ملنے سے پہلے انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علےٰ قلب بشر۔ کہ خدا تعالےٰ کے انعام ایسے ہیں۔ کہ جو نہ کسی نے دیکھے۔ اور نہ سنے۔ اور نہ کسی کے دل میں ان کے متعلق خیال آیا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ ولا تعلم نفس ما اخفی من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون۔ کہ انسان کو اس چیز کا پتہ ہی نہیں۔ جسے خدا نے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تیار کیا ہے۔ اسکو اسکا علم ہی نہیں لیکن افسوس۔ کہ خدا تعالیٰ کے انعاموں کو حاصل کرنیکی بہت کم لوگ کوشش کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اپنے فضل اور رحم کے ماتحت آپ سب لوگوں کو کامل ایمان کے درجہ پر پہنچائے۔ تا تم خدا کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ کرو ؁